OPEN ACCESS
Al-Qamar
ISSN (Online): 2664-4398
ISSN (Print): 2664-438X
www.alqamarjournal.com

Al-Qamar, Volume 7, Issue 4 (October-December 2024)

جہاد اور مستشرقین: "سیرۃ النبی" اور "ضیاء النبی" کی روشنی میں ایک مطالعہ

Jihād and Orientalists: A Study in the Light of *"Sīrat al-Nabī"* and *"Ziā' al-Nabī"*

Dr. Hafiz Saeed Ahmad
Director, Institute of Orientalim, Mianwali
ioorientalism@gmail.com
Tuba Gul
Visting Lecturer, University of Mianwali, Phd Sholar University of Education, Lahore
raviantubagul@gmail.com

Abstract

In the 19th century, the intellectual interaction between Muslims and Orientalists led to both positive and negative outcomes. The first notable Muslim scholar to address Orientalist critiques was Sir Syed Ahmed Khan, who responded to Sir William Muir's objections in his works on the life of Prophet Muhammad (peace be upon him). Later, Shibli Nomani's Seerat-un-Nabi addressed the concerns raised by Margoliouth, and this scholarly engagement continued. Muslim scholars, recognizing their academic, religious, and missionary responsibilities, attempted to counter Orientalist misconceptions about jihad. Among them, Pir Karam Shah al-Azhari made significant contributions.

This study examines the Orientalist perspective on jihad and their objections, analyzing them in the context of Seerat-un-Nabi and Zia-un-Nabi. Key areas of discussion include coercion, jizya, and the nature of jihad—whether it was proactive or defensive. An analytical comparison of these aspects highlights areas of agreement and contention.

CC BY

By the conclusion of this article, it becomes evident why primary sources are crucial in critiquing Orientalist narratives. Additionally, it outlines the key areas where further academic work is required to refute misconceptions regarding jihad and how Muslim scholars can effectively fulfill their intellectual, religious, and missionary duties.

Keywords: Seerat, Orientalism, Jihad, Methodology

مستشرقین نے اسلام اوراس کے مخالفین کے مابین ہونے والے جہاد، جنگوں اور غزوات کے بارے میں ادھوری اور نامکمل معلومات اور مفروضات کے ذریعے اس کے خلاف مختلف قسم کے الزامات عائد کیے۔ اسلام تلوار کے زور پر پھیلا، محمد ﷺ نعوذ باللہ ایک جنگجویانہ نفسیات رکھنی والی شخصیت تھے، اپنے مخالفین پر جنگیں مسلط کیں۔ جہاں ضرورت محسوس ہوئی وہاں اپنے مخالفین کو قتل تک کروادیا، الغرض کہ قتل وغارت کا بازار خوب گرم کیا، اس طرح کے دیگر الزامات عائد کیے، اور یہ مواد انہوں نے مسلمانوں کے مذہبی لٹریچر سے حاصل کیا، پھر اس کو اپنے مقاصد کے مطابق ترتیب دیا اور یہ پروپیگنڈا کیا کہ اسلام اور تلوار باہم لازم وملزوم ہیں، اسی تصور کی بنیاد پر مغرب نے اسلام کی تصویر کشی اس طرح کی ہے کہ دہشت، خوف وہراس، بدامنی، ظلم اسلام کے ساتھ جڑ گیا۔ یہ تصور مغرب میں کس طرح وقوع پذیر ہوا؟ یہ آج کے دور کی مسلم دنیا کے لیے بڑی اہمیت کا سوال ہے۔ کیا مسلمان جنگ وجدل کو پسند کرتے ہیں؟ ابتدائی عہد میں اسلام کی تعلیمات میں ایسی کیا خصوصیات تھیں جس کی بناء پر اس کو اس طرح دیکھا گیا؟ غزوات کے تصور میں جبر پایا جاتا ہے؟ اسلام کی تعلیمات کے فروغ میں جبر کا بڑا عمل دخل ہے؟ جہاد، قتال اور جنگ باہم ملتی جلتی چیزیں ہیں اور اسلام نے ہر دور میں اپنے ماننے والوں میں اس حوصلہ افزائی کی ہے؟ اور سب سے اہم ترین سوال یہ ہے کہ جدید قومی ریاست کی تشکیل کے بعد مسلمان جہاد کے بارے میں کیا نکتہ نظر رکھتے ہیں؟ جہاد کو ریاست کی ذمہ داری سمجھتے ہیں؟ اور کیا ریاست کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ اعلائے کلمۃ اللہ کے لیے کسی ریاست پر چڑھائی کر دے؟ یا ریاست اس کے بارے میں کیا نکتہ نظر رکھتی ہے؟ یا جہاد صرف اور صرف دفاعی نوعیت کا ہو گا؟

مستشرقین نے جہاں اسلام پر مختلف پہلوؤں پر الزام لگایا، وہاں انہوں نے یہ الزام بھی لگایا کہ اسلام کی اشاعت میں جبر کا کردار نمایاں ہے۔ اور یہ الزام مفروضات کی بنیاد اور مسلمانوں کے لٹریچر کی غلطی تشریحات پر مبنی ہے۔ انہوں نے ایسا کیوں کیا؟ اس کا سادہ جواب یہی ہے کہ عیسوی تعلیمات کو ماننے والوں یعنی عیسائی مذہب کے حاملین کو اسلام کی تعلیمات قبول کرنے سے باز رکھا جاسکے۔ پھر جدید دور یعنی انیسویں صدی میں جب رسول اللہ ﷺ کی سیرت پر لکھی گئی قدیم کتب مدون ہوئیں اور ان کی اشاعت ہوئی تو انہوں نے اسلام پر لگائے گئے قدیم الزامات کو بنیادی مصادر کی حوالہ جات سے مزین کیا کہ اس نے اپنی تعلیمات کے فروغ کے لیے جبر اور تلوار کا سہارا لیا۔

انیسویں صدی میں ولہاؤزن اور ولیم میور وغیرہ کو نمایاں حیثیت حاصل رہی، انہوں نے سیرت پر لکھی گئی کتاب میں، جہاں دیگر الزامات عائد کیے وہاں انہوں نے اسلام کے تصورِ جہاد کے بارے میں منفی رائے قائم کرنے کی کوشش کی۔ اور اپنی کتاب کا ایک حصہ اس مقصد کے لیے وقف کر دیا، جس میں اس نے قرآن مجید کے تصور جہاد اور جنگ کو اسلام کے فروغ کے لیے بنیادی ہتھیار کے طور پر متعارف کروایا۔ بنو قریظہ کے حوالے سے لکھتا ہے کہ "حضرت محمد (صلعم) نے جو طرزِ عمل

اختیار کیا، اس کے اسباب واضح طور پر خالصتاً سیاسی تھے، کیونکہ آنحضرت نے تاحال لوگوں کو دائرہ اسلام میں بجبر لانے یا منکرین کو سزا دینے کا ارادہ نہیں کیا تھا۔[1]

ولہاؤزن لکھتا ہے کہ اصول کی جنگ کو تلوار سے فیصل کرنا پڑا اور اللہ کی حاکمیتِ مطلق کا اظہار ان پر جو اس کے ماننے کے لیے تیار نہ تھے، جبر و تشدد کے ذریعے کیا گیا۔ بجائے عیسیٰ کے اگر نبیؐ یہ کہتے تو زیادہ مناسب تھا کہ "میں امن لے کر نہیں آیا ہوں بلکہ تلوار لایا ہوں"۔ اسلام گویا بت پرستوں کے خلاف ایک مستقل اعلانِ جنگ کی حیثیت رکھتا تھا۔[2]

علامہ شبلی نعمانیؒ اور مستشرقین

مصادر

علامہ شبلی نعمانیؒ نے استشراق کے موضوع پر کلام کرنے کے لیے سیرۃ النبی ﷺ کا انتخاب کیا، اس عہد میں مار گولیتھ نے نبی ﷺ کی شخصیت اور کردار تابڑ توڑ حملے کیے تو جس طرح سر سید آحمد خان نے سر ولیم میور کو جواب دینے کے لیے خطبات احمدیہ نامی کتاب تحریر کی۔ شبلی نعمانیؒ نے سیرۃ النبی ﷺ کے موضوع پر کتاب لکھی اور اس کتاب کا نام بھی یہی رکھا۔ عشقِ رسول ﷺ میں ڈوب کر انہوں نے کتاب لکھی اور اس عہد کے مستشرقین کو جواب دینے کے لیے اس عمل کی بنیاد رکھ دی اور مسلم لٹریچر میں سے بے پناہ دلائل اور مواد فراہم کیا جو آنے والے دور میں اسکالرز کے لیے زادِ راہ کا کام دیتا رہا۔ مستشرقین کی آراء کو جاننے کے لیے انہوں نے براہِ راست ان کتب سے استفادہ کیا، اس کے لیے انہوں نے ترجمہ نگاروں سے بھی مدد لی۔ اور مستشرقین کی فہرست بھی پیش کی۔ انہوں نے جس رنگ اور انداز میں مواد پیش کیا، وہ منہج واسلوب انفرادیت کا حامل ہے اور بے مثل ہے۔ ذیل میں کچھ مستشرقین کا تذکرہ انہوں نے کیا ہے اس کے بارے میں لکھا جارہا ہے۔ اس کے بارے میں ہم مفصل طور پر اپنی غیر مطبوعہ کتاب علامہ شبلی نعمانیؒ اور مستشرقین میں کر چکے ہیں۔

سیرۃ النبی ﷺ کی جلد اول میں علامہ شبلی نعمانیؒ نے صفحہ 66 سے لے کر صفحہ 74 تک یورپین تصنیفات کے عنوان سے آٹھ صفحات لکھے، لیکن ایسی تحریر کے بارے میں ہی کہا جاتا ہے کہ دریا کو کوزے میں بند کرنا۔ اگر ہم گہری نظر سے دیکھیں تو پانچ عنوانات دیے جاسکتے ہیں۔ پہلا عنوان ہے سترہویں اور آٹھارویں صدی عیسوی میں تحریکِ استشراق کی سیرت کے عنوان پر کیا کچھ لکھا گیا اور کس اسلوب میں وہ لکھتے رہے۔ پھر اس کے بعد انہوں ان مستشرقین کی فہرست دی ہے جن کی کتب تک ان کو براہِ راست رسائی حاصل تھی اور اس موضوع پر معارف کے کسی شمارے میں ایک اسکالر نے ان مستشرقین کا مفصل تعارف دیا ہے (جس کو ہم اپنی غیر مطبوعہ تالیف علامہ شبلی نعمانیؒ اور مستشرقین میں جگہ دی ہے) جن میں صرف پانچ مستشرقین کے حالات نہ میسر آسکے تھے۔ پھر ان پانچ مستشرقین کے بارے میں راقم نے ایک آرٹیکل میں تذکرہ کیا ہے۔ (جو ششماہی استشراق کے کسی شمارے میں شائع ہوگا) پھر بغیر عنوان کے مصنفین یورپ کی تین اقسام کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ پھر اس کے بعد یورپین مصنفین کی اصولی غلطیوں کی نشان دہی کی گئی کہ کن بنیادوں پر وہ سیرت رسول ﷺ کو درست انداز میں سمجھنے سے قاصر رہے۔ اس کے بعد عنوان یورپین تصنیفات کے اصول مشترکہ قائم کیا گیا۔ اور ان عنوانات سے واضح ہوتا ہے کہ انہی پانچ بنیادوں پر بعد میں مستشرقین تصنیفات لکھتے رہے۔ وہ پانچ اصول ذیل میں دیے جارہے ہیں:

(1) آنحضرت ﷺ کی زندگی مکہ معظمہ تک پیغمبرانہ زندگی ہے لیکن مدینہ جا کر جب زور و قوت حاصل ہوتی ہے تو دفعتہ پیغمبری بادشاہی میں بدل جاتی ہے اور اس کے جو لوازم ہیں یعنی لشکر کشی، قتل، انتقام، خونریزی خود بخود پیدا ہو جاتے ہیں۔

(2) کثرت ازدواج اور میل الی النساء

(3) مذہب کی اشاعت جبر اور زور سے

(4) لونڈی غلام بنانے کی اجازت اور اس پر عمل

(5) دنیاداروں کی سی حکمت عملی اور بہانہ جوئی

جبر

جیسا کہ پہلے ذکر کیا جا چکا ہے کہ علامہ شبلی نعمانیؒ نے مستشرقین کی تصنیفات کے اصول مشترکہ بیان کیے ہیں، ان میں ایک اصول مذہب کی اشاعت جبر اور زور کے عنوان سے لکھا گیا ہے۔ اور یہ ایک حقیقت بھی ہے کہ مستشرقین نے اسلام کے تصورِ جہاد پر لکھتے ہوئے یہ الزام عائد کیا کہ اسلام کی اشاعت اور فروغ کا کام جبر و تشدد سے ہوا۔ اور علامہ موصوف اس سے یکسر انکار کرتے ہیں اور نقلی و عقلی دلائل سے ثابت کرتے ہیں کہ ایسا ہر گز نہیں۔ بلکہ معمولی سے واقعہ کو زیبِ داستاں کے لیے بڑھا چڑھا کر پیش کر دیا جاتا ہے۔ علامہ لکھتے ہیں:

کیا عجیب بات ہے کہ اربابِ سیر و مغازی کی داستان جس قدر زیادہ دراز نفسی اور بلند آہنگی سے بیان کرتے ہیں، یورپ اسی قدر اس کو زیادہ شوق سے جی لگا کر سنتا ہے اور چاہتا ہے کہ داستان اور پھیلتی چلی جائے کیونکہ اس کو اسلام کے جور و ستم کا جو مرقع آراستہ کرنا ہے اس کے نقش و نگار کے لیے لہو کے چند قطرے نہیں بلکہ چشمہ ہائے خون درکار ہیں۔

یورپ کے تمام مؤرخوں نے سیرت نبویؐ کو اس انداز سے لکھا ہے کہ وہ لڑائیوں کا ایک مسلسل سلسلہ ہے، جس کا مقصد یہ ہے کہ لوگ زبردستی مسلمان بنائے جائیں۔ لیکن یہ خیال چونکہ واقع میں غلط اور سرتاپا غلط ہے۔[3]

7ھ میں وقوع پذیر ہونے والے واقعات (غزوہ خیبر) کے بارے میں علامہ شبلی نعمانیؒ لکھتے ہیں:

اب تک جو لڑائیاں وقوع میں آئیں محض دفاعی تھیں۔ یہ پہلا غزوہ ہے جس میں غیر مسلم رعایا بنائے گئے۔ طرزِ حکومت کی بنیاد قائم ہوئی۔ اسلام کا اصلی مقصد تبلیغ و دعوت ہے۔ اب اگر کوئی قوم اس دعوت کی سدِ راہ نہ ہو تو اسلام کو اس سے نہ تو جنگ ہے نہ اس کے رعایا بنانے کی ضرورت ہے۔ صرف معاہدہ صلح کافی ہے جس کی بہت سی مثالیں اسلام میں موجود ہیں لیکن جب کوئی قوم خود اسلام کی مخالفت پر کمربستہ ہو اور اس کو مٹا دینا چاہے تو اسلام کو مدافعت کے لیے تلوار لینا پڑتی ہے۔ اور اس کو اپنے زیرِ اثر رکھنا پڑتا ہے۔ خیبر اس قاعدہ کے موافق اسلام کا پہلا مفتوحہ ملک تھا۔[4]

جزیہ

نو ہجری کے واقعات میں علامہ شبلی نعمانیؒ لکھتے ہیں کہ جزیہ کے بارے میں سورۃ توبہ کی آیت 29 اسی دور میں نازل ہوئی تھی، حتیٰ یعطوا الجزیۃ عن ید وھم صاغرون ترجمہ: (تا آنکہ چھوٹے بن کر وہ جزیہ نہ ادا کریں)۔ سید سلیمان ندویؒ اپنے استاد علامہ شبلی نعمانیؒ کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ انہوں نے تاریخی واقعات سے ثابت کیا ہے: "جزیہ "ایک فوجی ٹیکس تھا جو صرف ان غیر مسلمانوں سے لیا جاتا تھا جو اسلامی فوج میں شریک ہو کر ملک و وطن کی حفاظت کی ذمہ داری قبول نہیں کرتے تھے، گویا

وہ یہ رقم اپنی حفاظت کے معاوضہ میں حکومت کو ادا کرتے تھے، غیر مسلمانوں نے جب کبھی بھی مسلمانوں کی طرف فوجی فرائض ادا کرنا چاہا ہے وہ اس ٹیکس سے معاف کر دیے گئے ہیں۔[5]

سید مودودیؒ اپنی تفسیر تفہیم القرآن جلد دوم میں آیت جزیہ کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

یعنی لڑائی کی غایت یہ نہیں ہے کہ وہ ایمان لے آئیں اور دین حق کے پیرو بن جائیں، بلکہ اس کی غایت یہ ہے کہ ان کی خود مختاری و بالا دستی ختم ہو جائے۔ وہ زمین میں حاکم اور صاحب امر بن کر نہ رہیں بلکہ زمین کے نظام زندگی کی باگیں اور فرمانروائی وامامت کے اختیارات متبعین دین حق کے ہاتھوں میں ہوں اور وہ ان کے ماتحت تابع و مطیع بن کر رہیں۔

جزیہ بدل ہے اس امان اور اس حفاظت کا جو ذمیوں کو اسلامی حکومت میں عطا کی جائے گی۔ نیز وہ علامت ہے اس امر کی کہ یہ لوگ تابع امر بننے پر راضی ہیں۔ ہاتھ سے جزیہ دینے کا مفہوم سیدھی طرح مطیعانہ شان کے ساتھ جزیہ ادا کرنا ہے۔ اور چھوٹے بن کر رہنے کا مطلب یہ ہے کہ زمین میں بڑے وہ نہ ہوں جو خلافت الٰہی کا فرض انجام دے رہے ہوں۔

ابتداء یہ حکم یہود و نصاریٰ کے متعلق دیا گیا تھا، لیکن آگے چل کر خود نبی ﷺ نے مجوس سے جزیہ لے کر انہیں ذمی بنایا اور اس کے بعد صحابہ کرام نے بالاتفاق عرب کی تمام قوموں پر اس حکم کو عام کر دیا۔

یہ جزیہ وہ چیز ہے جس کے لیے بڑی معذرتیں انیسیوں صدی عیسوی کے دورِ مذلت میں مسلمانوں کی طرف سے پیش کی گئی ہیں اور اس دور کی یادگار کچھ لوگ اب بھی موجود ہیں جو صفائی دینے میں لگے ہوئے ہیں۔ لیکن خدا کا دین اس سے بہت بالا و برتر ہے کہ اسے خدا کے باغیوں کے سامنے معذرت کرنے کی کوئی حاجت ہو۔ سیدھی اور صاف بات یہ ہے کہ جو لوگ خدا کے دین کو اختیار نہیں کرتے اور اپنی یا دوسروں کی نکالی ہوئی غلط راہوں پر چلتے ہیں وہ حد سے حد بس اتنی ہی آزادی کے مستحق ہیں کہ خود جو غلطی کرنا چاہتے ہیں کر دیں، لیکن ان کو اس کا قطعاً کوئی حق نہیں کہ خدا کی زمین پر کسی جگہ بھی اقتدار و فرمانروائی کی باگیں ان کے ہاتھوں میں ہوں اور وہ انسانوں کی اجتماعی زندگی کا نظام اپنی گمراہیوں مطابق قائم کریں اور چلائیں ۔یہ چیز جہاں کہیں ان کو حاصل ہو گی، فساد رونما ہو گا اور اہل ایمان کا فرض ہو گا کہ ان کو اس سے بے دخل کرنے اور انہیں نظام صالح کا مطیع بنانے کی کوشش کریں۔ اب رہا یہ سوال کہ یہ جزیہ آخر کس چیز کی قیمت ہے، تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ اُس آزادی کی قیمت ہے جو انہیں اسلامی اقتدار کے تحت اپنی گمراہیوں پہ قائم رہنے کے لیے دی جاتی ہے، اور اس قیمت کو اُس صالح نظام حکومت کے نظم ونسق پر صرف ہونا چاہیے جو انہیں اس آزادی کے استعمال کی اجازت دیتا ہے اور ان کے حقوق کی حفاظت کرتا ہے اور ان کے حقوق کی حفاظت کرتا ہے۔ اور اس کا بڑا فائدہ یہ ہے کہ جزیہ ادا کرتے وقت ہر سال ذمیوں میں احساس تازہ ہوتا رہے گا کہ خدا کی راہ میں زکوۃ دینے کے شرف سے محرومی اور اس کے بجائے گمراہیوں پر قائم رہنے کی قیمت ادا کرنا کتنی بڑی بدقسمتی ہے جس میں وہ مبتلا ہیں۔[6]

مالِ غنیمت

مستشرقین نے اسلام کے تصورِ جہاد کے بارے میں اس پروپیگنڈے کے فروغ کے لیے کام کیا کہ اسلام میں جنگوں کا بنیادی مقصد مالِ غنیمت کا حصول رہا، اسی مقصد کے حصول کے لیے انہوں نے جنگوں کا اہتمام کیا۔ جبکہ مسلم اسکالرز میں شبلی نعمانیؒ نے دلائل سے یہ بات ثابت کی کہ اسلام کا تصورِ جہاد ہرگز ایسے مقصد کے لیے نہیں تھا۔ انہوں نے اس دور کے عربوں

کی نفسیات اور ماحول پر کلام کیا اور اس کی روشنی میں مال غنیمت کے تصور کے بارے میں لکھا ہے۔ وہ سیرۃ النبی ﷺ کی جلد اول میں لکھتے ہیں:

ہر قوم کے اخلاق وعادات رسوم ومعاملات، محاسن واوصاف، معائب ومثالب، غرض اس کی کل قومی زندگی کا ایک خاص اساس الامر ہوتا ہے کہ سب چیزیں اسی سے بنتی اور اسی سے نشو ونما پاتی ہیں۔ عرب میں یہ چیز جنگ وغارت گری تھی ۔اس کی ابتدا یوں ہوئی کہ عرب ایک ویران ملک تھا کسی قسم کی پیداوار وہاں نہیں ہوتی تھی۔ لوگ ان پڑھ اور جاہل تھے۔ خورش اور پوشش کا قدرتی سامان صرف بھیڑ بکریاں اور اونٹ تھے کہ ان کا دودھ اور گوشت کھاتے اور بالوں کو بن کر کمبل بناتے تھے لیکن یہ جائیداد بھی ہر شخص کو نصیب نہ تھی، یا تھی تو بے قدر ضروریات نہ تھیں اس لیے حملہ اور غارت گری شروع ہوئی۔ اور معاش کا سب سے بڑا بلکہ تنہا ذریعہ غارت گری قرار پایا۔[7]

لڑائیوں کی اصل بنیاد ضرورتِ معاش سے شروع ہوئی تھی۔ اس لیے عرب کے نزدیک مالِ غنیمت سے زیادہ کوئی شئ محبوب نہ تھی اور ذریعہ معاش میں سب سے زیادہ حلال اور طیب اسی کو سمجھتے تھے۔ یہ خیال اس قدر دلوں میں راسخ اور رگ وپے میں سرایت کر گیا تھا کہ اسلام کے بعد بھی ایک مدت تک قائم رہا اور جس طرح شارع نے ممنوعات شرعیہ بتدریج حرام اور ممنوع کیا تھا۔ غنیمت سے متعلق نہایت تدریج اور آہستگی سے کام لینا پڑا۔[8]

لوٹ میں زیادہ تر بکریاں ہاتھ آتی تھیں اور بکری کو عربی میں "غنم" کہتے ہیں اس لیے لوٹ کے مال کو عربی میں "غنیمت" کہنے لگے۔ اس لفظ نے پھر یہ وسعت حاصل کی کہ قیصر وکسریٰ کا تاج وتخت لٹ کر آیا تو اسی نام سے پکارا گیا۔ رفتہ رفتہ یہی لفظ عربی قوم، عربی زبان، عربی تاریخ کا سب سے زیادہ محبوب سب سے زیادہ نمایاں، سب سے زیادہ وسیع الاثر لفظ بن گیا۔[9]

کیا جہاد اقدامی تھا یا دفاعی؟

غزوہ بدر کا مقصد جیسا کہ عام مؤرخین نے بیان کیا ہے، کاروانِ تجارت کو لوٹنا تھا یا قریش کے حملے کا دفاع تھا۔

میں اس بات سے خوب واقف ہوں کہ تاریخ اور محکمہ عدالت میں فرق ہے۔ مجھ کو یہ بھی معلوم ہے کہ تاریخ کا اندازِ بیان دیوانی یا فوجداری کے فیصلہ لکھنے سے بالکل مختلف ہے۔ میں اس کو بھی تسلیم کرتا ہوں کہ میرا منصب واقعہ نگاری ہے فیصلہ نویسی نہیں۔ لیکن موقع ایسا آن پڑا ہے کہ ایک واقعہ تاریخی نے مقدمہ عدالت کی حیثیت حاصل کر لی ہے اس لیے مجھ کو اپنے مقصد سے ہٹ کر فصل مقدمہ کا قلم ہاتھ میں لینا پڑتا ہے۔ اس بات کا مجھ کو مطلق خوف نہیں کہ اس فیصلہ میں عام مؤرخین اور اربابِ سیر میرے حریفِ مقابل ہیں، نہایت جلد نظر آجائے گا کہ حق اکیلا تمام دنیا پر فتح پا سکتا ہے۔[10]

آگے لکھتے ہیں:

اس بحث کے فیصلہ کے لیے سب سے پہلے ان واقعات کو یکجا لکھ دینا چاہیے جن پر دونوں کا اتفاق ہے تا کہ وہ انفصالِ بحث میں اصولِ موضوعہ کے طور پر کام آئیں۔ وہ یہ ہیں:

1. قرآن مجید میں اگر واقعہ کا صاف ذکر ہے تو اس کے مقابلہ میں کسی روایت اور تاریخ کا اعتبار نہ کیا جائے گا۔
2. کتبِ حدیث میں صحت کے لحاظ سے باہم جو فرقِ مراتب ہے اس کا لحاظ رکھا جائے گا۔ [11]

مؤرخین مغازی کی ابتدا انہی واقعات سے کرتے ہیں کہ اسی سال خدا نے جہاد کی اجازت دی۔ لیکن ایک دقیقہ بین انہی کی تصریحات سے پتہ لگا سکتا ہے کہ اصل واقعہ کیا تھا۔ مواہب لدنیہ اور زرقانی میں لکھا ہے کہ خدا نے 12 صفر 2ھ میں جہاد کی اجازت دی۔ اس کی سند میں امام زہری کا قول نقل کیا ہے:

اول آیۃ

نزلت فی الاذن بالقتال : اذن للذین یقاتلون بانھم ظلموا وان اللہ علی نصرھم لقدیر[12]

پہلی آیت جو قتال کی اجازت میں نازل ہوئی وہ یہ ہے: اذن للذین۔۔۔ یعنی جن سے لڑائی کی جاتی ہے (مسلمان) ان کو بھی اب لڑنے کی اجازت دی جاتی ہے کیونکہ ان پر ظلم کیا جارہا ہے اور خدا ان کی مدد پر یقیناً قادر ہے۔

تفسیر ابن جریر میں ہے کہ قتال کے متعلق سب سے پہلے جو آیت نازل ہوئی وہ یہ ہے:

وقاتلوا فی سبیل اللہ الذین یقاتلونکم (بقرہ، 24) اور خدا کی راہ میں ان لوگوں سے لڑو جو تم سے لڑتے ہیں۔

لیکن غور سے دیکھو کہ دونوں آیتوں میں انہی لوگوں سے لڑنے کی اجازت ہے جو پہلے مسلمانوں سے لڑنے آتے ہیں۔ اور اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ مسلمان درحقیقت لڑنے پر مجبور کیے جاتے ہیں۔

بہر حال واقعہ یہ ہے کہ مدینہ میں آکر آنحضرت ﷺ کا سب سے پہلا کام حفاظت خود اختیاری کی تدبیر تھی۔ نہ صرف اپنی اور مہاجرین کی بلکہ انصار کی بھی کیونکہ اس جرم میں کہ انصار نے مسلمانوں کو پناہ دی ہے۔ قریش نے مدینہ کی بربادی کا فیصلہ کر لیا اور اپنے تمام قبائلِ متحدہ میں یہ آگ بھڑکا دی تھی۔ اس بناء پر آپؐ نے دو تدبیریں اختیار کیں:

اول یہ کہ قریش کی شامی تجارت جو ان کا مایہ غرور تھی، بند کر دی جائے تاکہ وہ صلح پر مجبور ہو جائیں اور یاد ہو گا کہ حضرت سعد بن معاذ نے مکہ میں ابوجہل کو اسی کی دھمکی دی تھی۔

دوسرے یہ کہ مدینہ کے قرب وجوار کے جو قبائل ہیں ان سے امن وامان کا معاہدہ ہو جائے۔[13]

پیر کرم شاہ الازہریؒ اور مستشرقین

مصادر

ہمارے پاس اس وقت پیر کرم شاہ الازہریؒ کی کتاب کی جلد ہفتم موجود ہے، جس میں انہوں نے ایک عنوان حضور ﷺ پر تشدد پسندی کا الزام سے ترتیب دیا ہے، انہوں نے اس مضمون میں مستشرقین کے تصورِ جہاد اور جنگ کے نقائص واضح کیے ہیں اور اسلام کے تصورِ جہاد کو واضح کرنے کی کوشش کی۔ یہ مضمون صفحہ نمبر 525 سے لے کر 594 تک پھیلا ہوا ہے۔ اس میں انہوں نے بنیادی مصادر کی مدد سے تمام مباحث کو ترتیب دیا ہے۔ جس دور میں پیر کرم شاہؒ نے انے ان مباحث کو مکمل کیا، اس پر تکمیل کی تاریخ 10 جنوری 1997ء درج ہے۔ اس دور میں مستشرقین کے مختلف موضوعات پر اعظم گڑھ اور دیگر اداروں نے خوب کام کیا تھا۔ اور مختلف اسکالرز نے استشراق کے موضوع پر خامہ فرسائی کی۔ ذیل میں پیر صاحب کے مصادر کی فہرست دی جارہی ہے۔

مستشرقین کی کتب:

ولیم میور کی کتاب محمد اور اسلام، جارج سیل کا ترجمہ قرآن، منٹگمری واٹ کی کتاب محمد ایٹ مدینہ، محمد پرافٹ اینڈ سٹیٹس مین، کارلائل کی کتاب ہیرو اور ہیرو ورشپ، انسائیکلوبرٹانیکا، ٹارنڈرائے کی کتاب The Muhammad and His faith

الہامی کتب:
کتاب استثناء، لوقا کی انجیل، متی کی انجیل
عربی کتب:
المستشرقون والاسلام، مفتریات المبشرین علی الاسلام، محمد رسول اللہ ﷺ از محمد رضا، خاتم النبیین از الامام ابوزہرہ، حیاۃ محمد۔۔۔؟
اردو کتب:
رحمۃ اللعالمین ﷺ از سلیمان منصور پوری، ضیاء النبی ﷺ جلد سوم،

جبر

پیر کرم شاہ الازہریؒ لکھتے ہیں کہ مستشرقین نے حضور ﷺ کی ذات پر تشدد پسندی کا الزام لگانے کے لیے جن واقعات کا سہارا لیا ہے وہ مندرجہ ذیل ہیں:
غزوات و سرایا، دو اسیر انِ بدر کا قتل، کعب بن اشرف اور چند دیگر یہودی سرداروں کا قتل، بنو قینقاع کا اخراج، بنو نضیر کا اخراج اور بنو قریظہ کے خلاف کارروائی۔[14]
پیر کرم شاہ الازہریؒ لکھتے ہیں:
مستشرقین نے اپنے تخیل کے زور پر اسلامی جہاد کے دو اسباب تراشے ہیں:
ایک لوگوں کو زبردستی مسلمان بنانا
اور دوسرا جہاد کے نام پر ڈاکے ڈال کر دولت اکھٹی کرنا[15]
انہوں نے مستشرقین کے ان اعتراضات کو قرآن مجید سے یہ بات ثابت کی کہ اسلام میں جبر نہیں۔ اس کے لیے انہوں نے سورۃ البقرہ کی آیت نمبر 256 درج کی کہ لاآکراہ فی الدین کہ رسول اللہ ﷺ کا کام یہ نہیں کہ لوگوں کو اسلام قبول کرنے پر مجبور کریں۔ اور لست علیھم بمصیطر (سورہ الغاشیہ: 22) اور اسی طرح امام محمد ابوزہرہ کا قول نقل کیا ہے کہ یہ بات ثابت نہیں ہے کہ حضور ﷺ نے کسی شخص کو زبردستی اسلام قبول کرنے پر مجبور کیا ہو بلکہ یہ بات ثابت ہے کہ بعض انصار نے اپنے بچوں کو زبردستی حلقہ اسلام میں داخل کرنے کا ارادہ کیا تو حضور ﷺ نے ان کو ایسا کرنے سے منع کر دیا۔[16]
پھر اس کے بعد مستشرقین کو جواب دیتے ہوئے الزامی نوعیت کا جواب دیتے ہیں کہ مستشرقین جو الزام اسلام پر لگانا چاہتے ہیں اس کا صحیح مصداق تو ان کا پیارا دین عیسائیت ہے۔ عیسائی پوپ اور پادری اپنے دین کو بطور شمشیر پھیلانا چاہتے تھے۔[17] پھر اس الزام کی تردید کے لیے ایک اور مستشرق کارلائل کا اقتباس دیا ہے کہ انہوں نے اس بات کی تردید کی کہ اسلام شمشیر سے پھیلا۔ کارلائل لکھتا ہے:

"Much has been said of Mahomet's propagating his religion by the sword..... The sword indeed: but where will you get your sword! Every new opinion, at its starting, is precisely in a minority of one. In one man's head alone, there it dwells as yet. One man alone of the whole world believes it; there is one man

against all men. That he take a sword and try to propagate with that, will do little for him. You must first get your sword. On the whole, a thing will propagate itself as it can. We do not find, of the Christian religion either, that it always disdained the sword, when once it had got one. Charlemagne's conversion of the Saxons was not by preaching."

جزیہ

مستشرقین اس بات پر زور دیتے ہیں کہ اسلام نے جزیہ دے کر اپنے دین پر قائم رہنے کی سہولت صرف اہلِ کتاب کو دی ہے اور باقی تمام مشرکین کو زبردستی اسلام قبول کرنے پر مجبور کیا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ جزیے کی رعایت صرف اہل کتاب کے لیے ہے لیکن اسلام نے اس حکم میں اتنی فراخدلی کا ثبوت دیا ہے کہ مجوسی جو آگ کے پجاری تھے اور ان کو بھی اہلِ کتاب میں شمار کیا ہے کیونکہ وہ لوگ بنیادی طور پر اہلِ کتاب تھے۔ بت پرستوں کے لیے جزیے کی سہولت نہ ہونے کا مطلب یہ نہیں کہ ان کے سامنے دو ہی راستے تھے: اسلام یا موت، کیونکہ یہ صورت اکراہ فی الدین کی ہے جس سے اسلام نے سختی سے منع کر دیا ہے۔ حضور ﷺ کی حیات طیبہ میں مسلمانوں نے جو جنگیں لڑیں ان میں سے اکثریت بت پرستوں کے خلاف تھیں۔ ان جنگوں میں سے اکثر میں بت پرست مغلوب ہوئے لیکن حضور ﷺ نے کبھی ان سے یہ نہیں فرمایا کہ اسلام قبول کر لو ورنہ موت کے لیے تیار ہو جاؤ بلکہ آپ نے ان میں سے اکثر کو ان کی درخواست پر معاف فرما دیا۔ بت پرستوں کے لیے جزیے کی رعایت واقعی نہیں ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ جو اہل کتاب جزیہ دے کر مسلمانوں کی پناہ میں آتے ہیں ان کی جان ومال، عزت وآبرو اور دین وعقیدہ کی حفاظت امت مسلمہ کی ذمہ داری بن جاتی ہے۔ اور اسلام امت مسلمہ کی کندھوں پر ان لوگوں کی ذمہ داری نہیں ڈالتا جو خدائے واحد وقدوس کو چھوڑ کر پتھر کی مورتیوں کے سامنے سربسجود ہوتے ہیں۔[18]

مالِ غنیمت

مستشرقین نے اسلام کے تصورِ مال غنیمت کو لوٹ مار اور ڈاکہ زنی سے منسوب کیا ہے، اور پھر ان کو جہاں کہیں سے مواد میسر آیا، انہوں نے اس کے بارے میں خوب خامہ فرسائی کی۔ مسلمانوں کے نقلی لٹریچر سے گہرائی وابستگی رکھنے والے مسلم اسکالرز نے اس کی اس انداز سے وضاحت کہ یہ اعتراض بھی خود بخود درفع ہو گیا۔ پیر کرم شاہ الازہری نے جارج سیل، ولیم میور، منٹگمری واٹ اور ٹارنڈرائے کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ انہوں نے یہ مقدمہ قائم کیا کہ اسلام کے غزوات وسرایا کے پسِ منظر میں لوٹ مار اور ڈاکہ زنی کا تصور موجود تھا۔ اور دوسرا اعتراض مستشرقین کو یہ ہے کہ مسلمانوں نے تلوار کو صرف اپنے دین کی تبلیغ کے لیے ہی استعمال نہیں کیا بلکہ انہوں نے تلوار کو ذریعہ معاش بھی بنایا اور انہوں نے ڈاکہ زنی کو بطور پیشہ اختیار کیا۔[19]

انہوں نے قرآن مجید، احادیث اور سیرت کے مختلف پہلوؤں سے یہ بات ثابت کی کہ رسول اللہ ﷺ نے جہاد کا آغاز معاش کے پس منظر میں نہیں کیا تھا بلکہ آپ ﷺ نے دین حق کی سربلندی اور توحید کا پرچم لہرانے کے لیے کیا تھا۔

کیا جہاد اقدامی تھا یا دفاعی؟

اسلام کو جنگجویانہ مذہب اور رسول اللہ ﷺ کو جنگجو اور تشدد پسند ثابت کرنے کے لیے مستشرقین نے اسلام کی تعلیمات کو مسخ کر کے دنیا کے سامنے پیش کرنے کی سعی کی لیکن ایسا ممکن نہ ہو سکا کیونکہ مسلم اسکالرز نے ہر دور میں ایسے تصورات کی بیخ کنی کے لیے اپنی بہترین صلاحیتیں صرف کیں۔ پیر کرم شاہ الازہری نے مدینہ منورہ پہنچ کر صورتحال کو اس پہلو سے واضح کیا کہ آپ ﷺ نے جہاد کا آغاز نہیں کیا بلکہ آپ پر جنگ مسلط کر دی گئی۔ وہ لکھتے ہیں:

مستشرقین دوسری حقیقت یہ بھول جاتے ہیں کہ حضور ﷺ مکہ سے مدینہ پہنچتے ہی اتنے طاقتور نہ ہو گئے تھے کہ وہ نہ صرف قریش مکہ بلکہ عرب کے تمام قبائل سے بیک وقت جنگ کر سکتے۔ مدینہ طیبہ میں مسلمانوں کو کئی انتہائی نازک مسائل کا سامنا تھا۔ مکہ میں ان کا مقابلہ قریش مکہ سے تھا تو مدینہ طیبہ میں ان کا مقابلہ ایک ایسی قوم سے تھا جو قریش مکہ کے مقابلے میں کہیں زیادہ خطرناک تھی۔ یہودیوں کے ساتھ حضور ﷺ نے انتہائی رحیمانہ سلوک کیا تھا لیکن ان کے دل اس بات کو برداشت کرنے کے لیے تیار نہ تھے کہ منصب نبوت بنو اسرائیل سے بنو اسماعیل کی طرف منتقل ہو جائے۔ قریش مکہ نے تو اپنی جہالت اور اجڑپن کی وجہ سے حضور ﷺ کی مخالفت کی تھی لیکن یہودیوں نے آپ کو پہچان لینے کے بعد محض حسد کی وجہ سے آپ کی مخالفت کی تھی۔ جہالت کی دشمنی اور حسد کی دشمنی میں بڑا فرق ہوتا ہے۔ مدینہ طیبہ میں حضور ﷺ کو ان حاسد دشمنوں سے واسطہ تھا۔ اس کے علاوہ مدینہ طیبہ میں ایک اور اسلام دشمن عنصر منافقین کی شکل میں موجود تھا۔[20]

پھر پیر کرم شاہ الازہریؒ آگے لکھتے ہیں:

مسلمان اس وقت نہ تو جارحانہ رویہ اختیار کرنے کی پوزیشن میں تھے اور نہ ہی یہ رویہ انکے لئے مفید ثابت ہو سکتا تھا۔ اپنے پاؤں پر کھڑا ہونے کے لئے ان کو امن کی ضرورت تھی لیکن کفار مکہ اور دیگر قبائل عرب مسلمانوں کو یہ اجازت دینے کے لئے تیار نہ تھے کہ وہ پر امن طریقے سے ریاست مدینہ کی بنیادیں مضبوط بنائیں اور اس کے سائے میں عزت اور وقار کی زندگی بسر کریں۔ وہ کبھی ان کو براہ راست دھمکیاں دیتے کبھی ان کے دشمنوں سے ساز باز کرتے اور کبھی مدینہ کے مختلف عناصر کو ان کے خلاف ابھارتے تھے۔ یہی وہ کیفیت تھی جس کو قرآن حکیم نے ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے:

وَاذْكُرُوا إِذْ أَنتُمْ قَلِيلٌ مُّسْتَضْعَفُونَ فِي الْأَرْضِ تَخَافُونَ أَن يَتَخَطَّفَكُمُ النَّاسُ فَآوَاكُمْ وَأَيَّدَكُم بِنَصْرِهِ[21]

اور یاد کرو جب تم تھوڑے تھے، کمزور اور بے بس سمجھے جاتے تھے ملک میں، (ہر وقت) ڈرتے رہتے تھے کہ کہیں اچک نہ لے جائیں تمہیں لوگ، پھر اللہ نے پناہ دی تمہیں اور طاقت بخشی تمہیں اپنی نصرت سے۔"

اس آیت کریمہ میں مسلمانوں کی جس حالت کو بیان کیا گیا ہے، ان کی وہ حالت ہجرت سے پہلے مکہ مکرمہ میں بھی تھی اور ہجرت کے فوراً بعد مدینہ منورہ میں بھی، کیونکہ اگرچہ انہیں اب انصار مدینہ کی صورت میں ایک مضبوط جماعت کی حمایت حاصل ہو گئی تھی لیکن دوسری طرف ان کے دشمنوں کی تعداد میں کئی گنا اضافہ ہو گیا تھا۔[22]

ایک اور پہلو کی طرف اس طرح اشارہ کرتے ہیں:

ایک اور بات جس کی وجہ سے ابتداء میں مسلمانوں کے لئے جارحانہ رویہ اپنانا ممکن ہی نہ تھا، وہ یہ تھی کہ مہاجرین کو ابتداء میں مدینہ طیبہ کی فضا راس نہ آئی تھی۔ ہجرت کے بعد مدینہ طیبہ میں مسلمان اس کثرت سے مبتلائے امراض ہوئے کہ یہ افواہ پھیلا دی گئی کہ یہودیوں نے مسلمانوں پر جادو کر دیا ہے۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ بخار کی شدت کی وجہ سے ایسے اشعار پڑھتے تھے جن میں موت کے قریب ہونے کا ذکر تھا۔ حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ صفہ میں پڑے کروٹیں بدلتے اور

مکہ کی فضاؤں کو یاد کرتے تھے۔ دیگر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی بھی یہی حالت تھی۔(1) ان حالات میں مسلمانوں کے لئے ممکن نہ تھا کہ وہ کفار مکہ بلکہ پورے جزیرہ عرب کے قبائل کے خلاف جارحانہ اقدام کریں۔[23]

خلاصہ بحث

اوپر کی بحث سے مختلف نکات سامنے آئے ہیں:

- دونوں اسکالرز نے اسلام کی خدمت کے لیے مستشرقین کو جواب دیا
- دونوں نے سیرت کے موضوع پر کلام کیا اور مستشرقین کی کتب سے براہِ راست استفادہ کیا
- دونوں اسکالرز میں وقت کا بعد ہے لیکن دونوں کا مقصد مسلمانوں کے نمائندے کے طور پر جواب دینا ہے
- اول الذکر میں پچیس صفحات مختص کیے گئے ہیں جبکہ مؤخر الذکر میں پوری ایک جلد مخصوص کی گئی ہے۔
- اول الذکر میں قدیم ترین آخذ استعمال کیے گئے ہیں جبکہ مؤخر الذکر میں بعد کے ادوار میں لکھے گئے ماخذ استعمال کیے گئے۔
- اول الذکر کے سامنے ریویو لٹریچر کے لیے کوئی مواد موجود نہ تھا جبکہ مؤخر الذکر کے دور تک مختلف قسم کا تحقیقی مواد میسر آ گیا تھا۔
- اول الذکر میں خالصتاً علمی انداز اختیار کیا گیا جس میں غیر مسلموں سے مخاطبت پیشِ نظر تھی جبکہ مؤخر الذکر نے تحقیق بیان کرتے ہوئے ادبی چاشنی سے بھی کام لیا ہے جس سے محسوس ہوتا ہے کہ انہوں نے سیرت کو مسلمانوں کی ضرورت کو پیشِ نظر رکھ کر لکھی ہے۔

مصادر و مراجع

[1] سیرت جلد 3، ص282)(ٹی ڈبلیو آرنلڈ، دعوتِ اسلام (مترجم: نعیم اللہ ملک) لاہور: نشریات، 2010، ص، ص46

[2] جے۔ ولہاوزن، سیرۃ نبوی اور مستشرقین (مترجم عبد العلیم احراری) کراچی: قرطاس، 2022، ص، ص85

[3] علامہ شبلی نعمانیؒ/ علامہ سید سلیمان ندویؒ، سیرۃ النبی ﷺ، لاہور: الفیصل ناشران و تاجرانِ کتب، 1991، جلد اول، ص189

[4] علامہ شبلی نعمانیؒ/ علامہ سید سلیمان ندویؒ، سیرۃ النبی ﷺ، لاہور: الفیصل ناشران و تاجرانِ کتب، 1991، جلد اول،، ص288

[5] سید سلیمان ندویؒ، الندوہ، اگست 1911ء بحوالہ مخالفین اسلام اور جزیہ، مشمولہ اسلام اور مستشرقین، جلد پنجم

[6] سید ابو الاعلیٰ مودودیؒ، تفہیم القرآن، لاہور: ادارہ ترجمان القرآن، جلد دوم، ص188

[7] علامہ شبلی نعمانیؒ/ علامہ سید سلیمان ندویؒ، سیرۃ النبی ﷺ، لاہور: الفیصل ناشران و تاجرانِ کتب، 1991، جلد اول، ص341

[8] علامہ شبلی نعمانیؒ/ علامہ سید سلیمان ندویؒ، سیرۃ النبی ﷺ، لاہور: الفیصل ناشران و تاجرانِ کتب، 1991، جلد اول، ص344

[9] علامہ شبلی نعمانیؒ/ علامہ سید سلیمان ندویؒ، سیرۃ النبی ﷺ، لاہور: الفیصل ناشران و تاجرانِ کتب، 1991، جلد اول، ص342

[10] علامہ شبلی نعمانیؒ/ علامہ سید سلیمان ندویؒ، سیرۃ النبی ﷺ، لاہور: الفیصل ناشران و تاجرانِ کتب، 1991، جلد اول، ص210

[11] علامہ شبلی نعمانیؒ/ علامہ سید سلیمان ندویؒ، سیرۃ النبی ﷺ، لاہور: الفیصل ناشران و تاجرانِ کتب، 1991، جلد اول، ص210

[12] سورۃ الحج: 39

[13] علامہ شبلی نعمانیؒ/ علامہ سید سلیمان ندویؒ، سیرۃ النبی ﷺ، لاہور: الفیصل ناشران و تاجرانِ کتب، 1991، جلد اول ،ص191-192

[14] پیر کرم شاہ الازہریؒ، ضیاء النبی ﷺ، لاہور: ضیاء القرآن پبلیکیشنز، جلد ہفتم، ص534

[15] پیر کرم شاہ الازہریؒ، ضیاء النبی ﷺ، لاہور: ضیاء القرآن پبلیکیشنز، جلد ہفتم،، ص556

[16] پیر کرم شاہ الازہریؒ، ضیاء النبی ﷺ، لاہور: ضیاء القرآن پبلیکیشنز، جلد ہفتم، 557-558

[17] پیر کرم شاہ الازہریؒ، ضیاء النبی ﷺ، لاہور: ضیاء القرآن پبلیکیشنز، جلد ہفتم، ص560

[18] پیر کرم شاہ الازہریؒ، ضیاء النبی ﷺ، لاہور: ضیاء القرآن پبلیکیشنز، جلد ہفتم، ص563

[19] پیر کرم شاہ الازہریؒ، ضیاء النبی ﷺ، لاہور: ضیاء القرآن پبلیکیشنز، جلد ہفتم، ص534-541

[20](پیر کرم شاہ الازہریؒ، ضیاء النبی ﷺ، لاہور: ضیاء القرآن پبلیکیشنز، جلد ہفتم، ص568-569

[21] (الانفال:26)

[22] پیر کرم شاہ الازہریؒ، ضیاء النبی ﷺ، لاہور: ضیاء القرآن پبلیکیشنز، جلد ہفتم، ص567-568

[23] پیر کرم شاہ الازہریؒ، ضیاء النبی ﷺ، لاہور: ضیاء القرآن پبلیکیشنز، جلد ہفتم، ص568